اکائی نمبر 3: ولؔی دکنی کی شاعری

ساخت

3.1 اغراض و مقاصد

3.2 تمہید

3.3 ولؔی دکنی کی شاعری

3.3.1 سوانحی خاکہ

3.3.2 غزلوں کے جملہ پہلوؤں کا تجزیاتی مطالعہ

3.4 آپ نے کیا سیکھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجئے

3.6 فرہنگ

3.7 سوالات کے جوابات

3.8 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں

- ولؔی دکنی کے بارے میں جانکاری دی گئی ہے۔
- ولؔی دکنی کے فن سے بحث ہے
- ولؔی دکنی کی غزلوں کے جملہ پہلوؤں کا تجزیہ کیا گیا ہے
- ولؔی دکنی کا دکنی شاعری میں مقام متعین کیا گیا ہے

3.2 تمہید

دکنی اردو میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہمنی دور سے شروع ہو چکا تھا۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز، شاہ میراں جی شمس العشاق، شاہ برہان الدین جانم وغیرہ ایسے نام ہیں جنھوں نے باقاعدہ دکنی ادب تخلیق کیا۔ دکن میں اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں بادشاہوں اور صاحب اقتدار حضرات کی ہمیشہ سرپرستی حاصل ہوئی۔ کئی بادشاہ ایسے گذرے ہیں جو خود

بھی تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے۔ جیسے ابراہیم عادل شاہ ثانی جو 'نورس' کے مصنف ہیں۔ علی عادل شاہ نہ صرف خود شاعر تھے بلکہ رستمی اور نصرتی جیسے بڑے شاعر بھی ان کے دربار سے جڑے ہوئے تھے۔ بیجاپور میں ہاشمی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ 'یوسف اور زلیخا' کے مصنف ہیں جو بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ شیخ بہاء الدین باجن اور خوب محمد چشتی کے نام بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

ولی دکنی کو اردو شاعری کا آدم کہا جاتا ہے۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کا شہرہ انھیں کی بدولت ہوا۔ 1700ء میں ولؔی دہلی آئے اور لوگوں کو اپنا کلام سنایا تو وہ ان کے کلام کے گرویدہ ہوگئے۔ صوفی سعداللہ گلشن نے کے مشورے سے انھوں نے فارسی اور عام بول چال کی زبان کے اختلاط سے ایک ایسی زبان پیدا کی جسے بعد میں عرف عام میں اردو کہا جاتا ہے۔ ولی نے اپنی شاعری میں زیادہ تر محبت کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ ان کی شاعری پر فارسی کا گہرا اثر تھا۔ انھوں نے تمام اصنافِ سخن میں شاعری کی ہے لیکن غزل ان کا خاص میدان ہے۔

3.3 ولؔی دکنی کی شاعری

ولؔی اردو زبان کے ابتدائی زمانے یعنی سترھویں صدی عیسوی کے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کے تعلق سے مؤرخین اور محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ 67-1665 کے سنوات ان کی پیدائش کے اور 09-1707 ان کی وفات کے سنوات مانے جاتے ہیں۔ مولوی محمد حسین آزاد نے اپنے تذکرے 'آبِ حیات' میں ولؔی کا نام شمس ولی اللہ بتایا ہے جبکہ کلام ولی کے بعض قلمی نسخوں میں ان کا نام سید ولی محمد اور محمد ولی اللہ بھی ملتا ہے۔ ولی کی وطنی نسبت گجرات اور دکن، دو مقامات سے بتائی جاتی ہے یعنی انھیں ولی گجراتی اور ولی دکنی بھی کہا جاتا ہے۔ گویا ان کی زندگی کے زمانی اور مکانی پہلوؤں کے تعلق سے کوئی متعینہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ یہ البتہ مسلم ہے کہ ولؔی تعلیمی، سماجی اور تفریحی مقاصد سے احمد آباد اور اورنگ آباد آتے جاتے رہا کرتے تھے۔

3.3.1 سوانحی خاکہ

ولؔی نے احمد آباد میں شاہ وجیہہ الدین کے قائم کردہ مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی اس لیے ظاہر ہے کہ حصول تعلیم کا زمانہ انھوں نے گجرات میں بسر کیا ہوگا۔ ادھر اورنگ آباد میں ان کے اقارب رہتے بستے تھے چنانچہ ولی دکن بھی آتے اور لمبی مدت تک قیام پذیر ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے گجرات کے شہروں احمد آباد اور سورت پر اشعار بھی لکھے ہیں جن سے ان علاقوں اور ان کے باشندوں سے ولؔی کی محبت کا اظہار ہوتا ہے ان کا انتقال بھی احمد آباد میں ہوا۔ جہاں 2002 تک ان کا مزار موجود تھا۔ سید ظہیر الدین مدنی نے لکھا ہے کہ ان کی قبر پر چینی کے ٹکڑے جڑے ہونے کی وجہ سے عوام میں وہ چینی کے پیر کے نام سے مشہور تھے۔

ولؔی کو اردو شاعری کا چاسر بھی کہا جاتا ہے جو انگریزی کا پہلا شاعر تھا۔ یہ بات اس لحاظ سے درست نہیں کہ ولی کو اردو زبان کا پہلا

شاعر تسلیم کیا جائے۔ ولؔی سے پہلے بھی دکن میں بہت سے شعرا ہوئے ہیں لیکن دکن کا سب سے بڑا شاعر ہونے کے سبب ولی کی اہمیت اور عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے فن کے چراغ میں شمالی ہندوستان کے شعرا نے بھی اپنے چراغ روشن کیے تھے۔ میؔر، آبؔرو اور حاتؔم وغیرہ نے اپنے کئی شعروں میں ولی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ 1700 میں ولی جب اپنے دیوان کے ساتھ دہلی پہنچے تو ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ ان کا کلام یوں تو ان کے دہلی آنے سے پہلے شمالی ہند میں معروف تھا، اب دیوان آیا تو اسے خاص و عام میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ شعرا نے ان کے رنگ میں شعر گوئی شروع کر دی۔ سید احتشام حسین نے 'اردو ادب کی تنقیدی تاریخ' میں شمال و جنوب کے اس ربط کے تعلق سے لکھا ہے:

> اس وقت دلّی کے زیادہ تر شعرا فارسی میں لکھتے تھے۔ انھیں شاعری کی حسین دیوی کو بول چال کی زبان کا معمولی لباس پہنا کر سامنے لانا اہانت آمیز معلوم ہوتا تھا مگر ولی کی شاعری کے مطالعے سے ان کو احساس ہوا کہ اپنی زبان میں شاعری دلچسپ اور کامیاب ثابت ہو سکتی ہے۔

ولؔی کا شعری اظہار عشق کے مرکزی موضوع کے گرد گھومتا ہے۔ ان کے شعر

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا عشق اپنے دونوں مادی اور روحانی رنگوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ مجازی رنگ زمینی محبوب بلکہ معشوقاؤں سے اظہار عشق میں لب و رخسار، قد و گیسو اور جسم کے دوسرے خطوط کی تصویر کشی کرتا ہے تو حقیقی رنگ وجود کے اسرار، زبان و مکان سے بے نیازی اور معرفت حق کے راز کو افشا کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے ولی کی غزل ایک سچے عاشق کی حقیقی خیالات پیش کرتی ہے۔ ان کے شعری اظہار میں ہندوستانی اور غیر ملکی یعنی ایرانی اثرات و تصورات کے تعلق سے سید احتشام حسین کا خیال ملاحظہ کیجیے:

> ولؔی پر فارسی شاعری کا گہرا اثر تھا۔ ان کے خیالات بھی کہیں کہیں ان سے ملتے ہیں مگر ان میں اتنی صداقت پائی جاتی ہے کہ وہ باہر سے مانگے ہوئے خیالات نہیں معلوم ہوتے۔ ہندوستانی زندگی کی تصویریں بھی ولؔی کے یہاں کم نہیں۔ گنگا، جمنا، کرشن، رام، سرسوتی، سیتا، لکشمی سبھی کے نام ان کے کلام میں بار بار آتے ہیں اور تہذیبی وحدت کے تصورات کا اشاریہ ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ولؔی کے شعر کی زبان دکنی یا اورنگ آبادی ہے۔ اس پر گجری کے اثرات بھی نمایاں ہیں لیکن چونکہ ولؔی دکن سے نکل کر شمال میں اس علاقے تک بھی پہنچے تھے جو اردو کی جائے پیدائش ہے، اس لیے دہلی کی زبان یا کھڑی بولی کے اثرات سے ان کی زبان خاصی متاثر دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں فارسی خیالات و موضوعات کے تعلق سے ایک روایت بعض تذکروں میں یہ بھی ملتی ہے کہ ولؔی جب دلی آئے تو انھیں ایک بزرگ شاہ سعداللہ گلشن نے فارسی شاعری کے مضامین کو مقامی بولی یعنی اردو میں برتنے کی ترغیب دی۔ یہ روایت ویسے حال کی تحقیق سے غلط ثابت ہو

چکی ہے۔ ولی اپنے آپ میں ایک نابغہ (جینیئس) فنکار تھے۔ ان کے کلام کے غائر مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعری اظہار میں لفظ و معنی کے جو تجریدی اور فلسفیانہ تصورات انھوں نے نظم کیے ہیں: ان کے ہوتے انھیں کسی کے مشورے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ خود فارسی کے بڑے عالم اور فن شعر پر دسترس رکھنے والے تھے چنانچہ دکنی ہندوی اور گجری لسانی اثرات کے علاوہ فارسی کے جو اثرات ان کے یہاں ملتے ہیں، ان کے ولی کی ذات سے نمودہ ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فارسی نثر میں انھوں نے 'نورالمعرفت' نام کا ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس سے ان کی انشا پردازی اور مختلف علوم پر ان کی دسترس کا پتا چلتا ہے۔

ولی کے دیوان کے کئی قلمی نسخے ہندو پاک میں موجود ہیں۔ مستشرقیات کے مشہور عالم گارساں دتاسی نے اسے فرانس سے بھی شائع کیا تھا۔ اس کے بعد اردو اشاعت کے متعدد اداروں نے اسے بار بار شائع کیا۔ اس دیوان میں غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی گئی ہے مگر ولی کی ساری اہمیت ان کی غزل سے قائم ہے۔ اس صنف میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اپنے زمانے کی غزل کے سارے رنگ ولی کی غزل کی شناخت ہیں۔ بیان کی لذت، فارسی مضامین میں ہندی تصورات کی آمیزش اور تصوف اور اخلاقیات کو تغزل کے رنگ میں پیش کرنے سے ولی کی غزل معاصر شعرا کی غزل سے ممتاز نظر آتی ہے۔ شعری اظہار کے فن کی ساری خوبیاں، صنائع بدائع کی چمک اور معنی آفرینی کے جلوے بھی ان کی غزل کی پہچان بناتے ہیں۔ ان کی بعض غزلوں میں مسلسل مضامین نظم ہوئے ہیں جن سے اظہار و بیان پر شاعر کی گرفت کا پتا چلتا ہے۔ ذیل میں ولی کی دو غزلیں مع تشریح پیش ہیں۔

3.3.2 متن کا تجزیہ

غزل 1

دو صنم جب سوں بسا دیدۂ حیران میں آ
آتش عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

ناز دیتا نہیں گر رخصت گلگشت چمن
اے چمن زارِ حیا، دل کے گلستان میں آ

نالہ و آہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
دفترِ درد بسا عشق کے دیوان میں آ

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورتِ انسان میں آ

شیخ، یاں بات تری پیش نہ جاوے ہرگز
عقل کوں چھوڑ کے، مت مجلس رندان میں آ

حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بد خو
دیو مختار ہوا ملکِ سلیمان میں آ

چشمۂ آبِ بقا جگ میں کیا ہے حاصل
یوسف حسن ترے چاہِ زنخدان میں آ

بسکہ مجھ حال سوں ہمسر ہے پریشانی میں
درد کہتی ہے مرا، زلف ترے کان میں آ

غم سوں تیرے، ہے ترحم کا محل، حال ولؔی
ظلم کوں چھوڑ سجن، شیوۂ احسان میں آ

تشریح

وو صنم جب سوں بسا دیدۂ حیران میں آ
آتشِ عشق بڑی عقل کے سامان میں آ

فرہنگ: وو = وہ

صنم = بت مراد معشوق

سوں = سے

دیدۂ حیران = (معشوق کے حسن کے جلوے سے عاشق کی) حیران آنکھیں

آتش غم = (عشق کے) غم کی آگ، محبت کا شدید جذبہ

عقل کا سامان = مراد عقل جو عشق کی ضد ہے

تشریح: جب سے میں نے (عاشق نے) اس حسین معشوق کو دیکھا ہے، اس کے حسن سے میری آنکھیں کھلی کے کھلی (حیران) رہ گئی ہیں۔ معشوق کی محبت کی آگ نے میری عقل کو (جو ہر بات کو دلیل اور اسباب کے ذریعے سمجھتی ہے) جلا کر ختم کر دیا ہے۔ یعنی عشق جو عقل کی طرح دلیل اور محبت کو نہیں مانتا، عقل پر غالب آ گیا ہے۔

ناز دیتا نہیں گر رخصت گل گشت چمن
اے چمن زار حیا، دل کے گلستاں میں آ

فرہنگ: رخصتِ گل گشت چمن = باغ میں چہل قدمی کرنے کی اجازت

چمن زار حیا = شرم و حیا کا چمن یعنی مجسم شرم و حیا مراد معشوق

تشریح: شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تیرا ناز و غرور تجھے باغ میں آکر چہل قدمی کرنے کی اجازت نہیں دیتا یعنی تو اپنے غرور کی وجہ سے باغ جیسی عام جگہ پر چہل قدمی کے لیے نہیں آنا چاہتا تو اے مجسم شرم و حیا، تو میرے دل کے گلستان میں آکر سیر کر لے۔

شاعر نے دوسرے مصرع میں معشوق کے غرور و ناز کو شرم و حیا کہہ کر اس پر خوب طنز کیا ہے۔

نالہ و آہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
دفترِ درد بسا عشق کے دیوان میں آ

فرہنگ: دفتر دَر = (عشق کے) دکھ درد کے بیان کی تفصیل

دیوان = وہ بیاض جس میں کسی شاعر کا کلام جمع کیا گیا ہو

تشریح: کسی کے عشق میں میں جو آہیں بھر رہا ہوں، اس دکھ کی تفصیل مجھ سے نہ پوچھو کیونکہ اس کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہوگی۔ جس طرح ایک شاعر اپنے کلام میں اپنے دکھ درد کا اظہار کرتا اور اسے ایک دیوان میں جمع کر دیتا ہے اسی طرح میرے عشق کے غم و الم کی تفصیل بہت طویل ہے (جیسا کہ میؔر نے بھی کہا ہے کہ درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا)

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورتِ انسان میں آ

فرہنگ: حُسن = خوبصورتی مراد اللہ تعالیٰ ازلی حسن

پردۂ تجرید = تنہائی/اکیلے پن/لامحدودیت کا پردہ یعنی حسن کی یکتائی آپ

طالب سے طلب گار، چاہنے/تمنا کرنے والا

تشریح: حسن سے یہاں خالق مطلق کا ازلی حسن مُراد ہے جسے اپنے آپ میں بیکراں اور ہر تعلق سے آزاد خیال کیا جاتا ہے (اللہ الصمد) جب تک حسن اپنی یکتائی میں تھا۔ ہر شے اور تصور کے تعلق سے آزاد تھا لیکن جب خالق ازل نے اپنے وجود کو انسان کی صورت اور مشابہت میں ظاہر کیا تو وہ محدود ہوگیا۔ اب اپنے اظہار کے لیے اسے عشق کی ضرورت اور چاہت ہوئی کہ کوئی مجھے چاہے اور میں کسی کی تمنا کروں۔

شیخ، یاں بات تری پیش نہ جاوے ہرگز
عقل کوں چھوڑ کے، مت مجلس رندان میں آ

فرہنگ: بات پیش نہ جانا = بات قبول نہ ہونا، بات کو تسلیم نہ کیا جانا

مجلس رندان = شرابیوں کی مجلس (میخانہ)

تشریح: مشاعر شیخ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تو جہ شرابیوں کی محفل میں آبیٹھا ہے اور انھیں نصیحت فضیحت کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ یہاں تیری کوئی بات قبول نہ کی جائے گی (یہ شرابی کسی کی بات نہیں مانتے) اس لیے بہتر ہے کہ تو اپنی عقل کی باتیں اپنے ہی حلقے میں سنا۔ یہاں میکدے میں آکر ایسی باتیں نہ کر۔ غالبؔ نے بھی کچھ ایسی ہی بات ایک شعر میں کہی ہے۔

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں، زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے رویوں سے

حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بد خو
دیو مختار ہوا ملکِ سلیمان میں آ

فرہنگ: تجھ گھر میں: تیرے گھر میں

رقیب = عاشق کا دشمن، معشوق کا دوسرا عاشق (معشوق جسپر زیادہ مہربان رہتا ہے)

رقیبِ بدخو = بدمزاج دشمن

مختار = اختیار والا، مالک

تشریح: اس شعر میں 'دیو اور سلیمان' کے اشارے سے تلمیح کی صنعت برتی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ رقیب نے معشوق کے گھر میں اس قدر عمل دخل حاصل کر لیا ہے کہ گویا سلیمان کے ملک پر دیو نے قبضہ جما رکھا ہو۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے جنوں اور پریوں کا بھی حاکم بنایا تھا۔ یہاں شعر میں یہ معاملہ الٹا ہو گیا ہے۔

چشمۂ آبِ بقا جگ میں کیا ہے حاصل
یوسفِ حسن ترے چاہِ زنخدان میں آ

فرہنگ: چشمۂ آبِ بقا = ہمیشہ کی زندگی دینے والے پانی (آبِ حیات) کا چشمہ

چاہ = کنواں

چاہ زنخدان = (معشوق کی) ٹھوڑی پر پڑنے والا گڑھا (جس سے چہرے کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے)

تشریح: اس شعر میں بھی 'چشمۂ آبِ بقا' اور 'یوسف رچاہ' کے حوالوں سے تلمیحی صنعت برتی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے حسن کو اس کی ٹھوڑی کے گڑھے کے حسن کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ 'یوسف حسن' کی ترکیب میں معشوق کے حسن کو مجسم کیا گیا اور مراد معشوق سے ہے جس طرح حضرت یوسفؑ (آں جناب بھی اپنے حسن کی وجہ سے یاد کیے جاتے ہیں) کو ایک چاہ (کنویں) سے نکال کر مصر میں غلام کی طرح بیچ ڈالا گیا اور وہ اپنے آقا کے یہاں رہ کر مصر کے حاکم بن گئے اسی طرح معشوق جو خود حسن میں اپنا جواب نہیں رکھتا، اپنے چاہ زنخداں کی خوبصورتی کے سبب ہمیشہ یاد رکھا جانے والا بن گیا ہے۔ گویا چاہ زنخداں اس کے لیے چشمۂ آبِ بقا ہے۔ 'چاہ رچشمہ' کے لفظوں میں 'آب' سے تلازمہ بھی ہے یا یہ الفاظ ایک دوسرے کی رعایت سے شعر میں استعمال کیے گئے ہیں۔

بسکہ مجھ حال سوں ہمسر ہے پریشانی میں
درد کہتی ہے مرا، زلف ترے کان میں آ

فرہنگ: بسکہ = کیونکہ، چونکہ

ہمسر = برابر، مشابہ، ملتی جلتی

تشریح: شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ چونکہ میرے حال کی پریشانی تیری زلفوں کی پریشانی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے پریشانی میں تیری زلف جو بار بار تیرے کانوں پر آ پڑتی ہے تو یہ دراصل وہ میری پریشانی اور درد کا حال تیرے کانوں میں سناتی ہے۔

غم سوں تیرے، ہے ترحم کا محل، حالِ ولیؔ
ظلم کوں چھوڑ سجن، شیوۂ احسان میں آ

فرہنگ: ترحم کا محل = رحم کرنے لائق

شیوۂ احسان = احسان کرنے کی فطرت

تشریح: شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ تیرے غم میں ولیؔ نے اپنا حال ایسا بنا لیا ہے کہ اس پر رحم ہی کرتے بنے۔ اے سجن تو اس سے بے پروائی نہ کر، اس پر ظلم نہ کر بلکہ اپنے لطف و کرم سے اس پر احسان کر۔

اس غزل میں ردیف کے لفظ 'آ' کو شاعر نے مختلف قواعدی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مطلع کے 'آ' اور 'چاہ زنخدان میں آ' اور 'کان میں آ' کے فقروں میں 'آ'، تمیزِ فعل (آ بجر) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جبکہ 'مت مجلس رندان میں آ' میں یہ 'مت آ' فعل نہی اور 'شیوۂ احسان میں آ' میں 'آ' اور 'گلستاں میں آئیں' فعلِ امر (التجا) کے طور پر آیا ہے۔

غزل 2

مت غصّے کے شعلے سوں جلتے کوں جلاتی جا
ٹک مہر کے پانی سوں تو آگ بجھاتی جا

تجھ چال کی قیمت سوں دل نئیں ہے مرا واقف
اے مان بھری چنچل، ٹک بھاو بتاتی جا

اس رات اندھاری میں مت بھول پڑوں تجھ سوں
ٹک پاؤں کے جھانجھر کی جھنکار سناتی جا

مجھ دل کے کبوتر کوں پکڑا ہے تری لٹ نے
یہ کام دھرم کا ہے، ٹک اس کوں چھڑاتی جا

تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
اے بت کی پجن ہاری، ٹک اس کوں پجاتی جا

تجھ عشق میں جل جل کر سب تن کوں کیا کاجل
یہ روشنی افزا ہے، انکھیاں کوں لگاتی جا

تجھ نیہہ میں جل جل کر جوگی کی لیا صورت
یک بار اسے موہن، چھاتی سوں لگائی جا

تجھ گھر کی طرف سندسر، آتا ہے ولی، دائم
مشتاق درس کا ہے، ٹک درس دکھائی جا

تشریح

مت غصّے کے شعلے سوں جلتے کوں جلاتی جا
ٹک مہر کے پانی سوں تو آگ بجھاتی جا

فرہنگ : جلتے کوں = مراد عشق کے دکھ درد میں مبتلا عاشق کو

جلانا = دکھ دینا

ٹک = تھوڑا، ذرا، کچھ

تشریح: شاعر معشوقہ سے کہہ رہا ہے کہ میں تو تیرے عشق کے دکھ میں آپ جل رہا ہوں، تو اپنے غصے کے شعلے سے مجھے اور مت جلا بلکہ اپنے لطف و کرم سے میری آگ بجھا دے۔

'پانی رآگ' میں تضاد کی صنعت برتی گئی ہے۔

تجھ چال کی قیمت سوں دل نشیں ہے مرا واقف
اے مان بھری چنچل، ٹک بھاو بتاتی جا

فرہنگ: مان بھری = مغرور

بھاؤ = قیمت

بھاؤ بتانا = چلتے یا ناچتے ہوئے مخصوص اشاروں سے اظہار کرنا

تشریح: میں تیری چال کے ناز و انداز کی قیمت (اہمیت رمعنی) نہیں سمجھتا اس لیے اے مغرور چنچل (حسینہ) اپنی چال کے اشاروں سے ہی مجھے (دل کی بات) سمجھا دے۔

قیمت / بھاؤ میں رعایت / ترادف ہے۔

اس رات اندھاری میں مت بھول پڑوں تجھ سوں
ٹک پاؤں کے جھانجھر کی جھنکار سناتی جا

فرہنگ: اندھاری = اندھیاری، اندھری، تاریک
بھول پڑنا = بھول جانا، غلطی کرنا

تشریح: معشوقہ سے کہتے ہیں کہ اندھیری رات میں تیرے ساتھ چل رہا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خود کو بھول نہ جاؤں یا بھول میں کسی غلط سمت میں نہ چلا جاؤں۔ اس لیے تو اپنے پاؤں کی جھانجھر بجا بجا کر اشارہ کرتی رہ کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تجھے ادھر (میرے ساتھ) چلنا ہے۔ تصوف کی رو سے شعر کا یہ مفہوم بھی ہوتا ہے کہ سالک اپنے مرشد کے ساتھ سلوک کی راہ سے گزر رہا ہے۔ اس راہ پر صحیح سمت میں سفر کرنے کے لیے سالک کی مدد اور ہدایت ضروری ہے۔

مجھ دل کے کبوتر کوں پکڑا ہے تری لٹ نے
یہ کام دھرم کا ہے، ٹک اس کوں چھڑاتی جا

فرہنگ: مجھ = میرے

دھرم کا کام = ثواب کا کام

تشریح: میرے (عاشق کے) دل کے کبوتر یعنی دل کو تیری (معشوقہ کی) زلف نے الجھا لیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ تو اسے اپنی زلف سے آزاد کر دے کیونکہ یہ (غلام کو آزاد کرنا) ثواب کا کام ہے۔ شاعر نے دل کو کبوتر بھی اسی لیے کہا ہے کہ بے زبان پرندے کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔

تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
اے بت کی پجن ہاری، ٹک اس کوں پچاتی جا

فرہنگ: مکھ = چہرہ
پجن ہاری = پوجنے والی (معشوقہ)

تشریح: معشوقہ سے کہتے ہیں کہ تیرے چہرے کو پوجتے ہوئے (یعنی تیرے عشق میں مبتلا رہتے ہوئے) تو میری ساری عمر چلی گئی مگر اے بت کو پوجنے والی ایسا ہو کہ میرے بعد بھی لوگ تیرے مکھ کو پوجتے رہیں۔

تجھ عشق میں جل جل کر سب تن کوں کیا کاجل
یہ روشنی افزا ہے، انکھیاں کوں لگاتی جا

فرہنگ: روشنی افزا= روشنی بڑھانے والا

انکھیاں = آنکھیں ('انکھیاں' کے تلفظ میں 'کھ' ساکن ہے)

تشریح: شاعر معشوقہ سے کہتا ہے کہ تیرے عشق میں جل جل کر (بہت دکھ اٹھا کر) میں نے اپنے تن کو کاجل بنا لیا ہے۔ یہ کاجل آنکھوں کی روشنی بڑھاتا ہے۔ اس لیے تو اسے اپنی آنکھوں میں لگاتی جا۔

تجھ نیہہ میں جل جل کر جوگی کی لیا صورت
یک بار اسے موہن، چھاتی سوں لگائی جا

فرہنگ: نیہہ = عشق، محبت

صورت لینا = بھیس اختیار کرنا

موہن = موہنے / جادو کرنے والی مراد معشوقہ

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ عاشق نے تیرے پیار میں جل جل کر (دکھ اٹھا کر) جوگی کی صورت بنا لی ہے (بہت بدحال / لاغر ہو گیا ہے) اے موہن، اسے ایک بار سینے سے لگا لے (تا کہ وہ سکون پائے)۔

تجھ گھر کی طرف سندر، آتا ہے ولؔی، دائم
مشتاق درس کا ہے، ٹک درس دکھائی جا

فرہنگ: سندر = خوبصورت (معشوقہ سے خطاب)

دائم = مسلسل، ہمیشہ، بار بار

درس = دیدار، جلوہ

تشریح: اے خوبصورت معشوقہ، ولؔی (جو تیرا عاشق ہے) بار بار تیرے گھر کی طرف آتا ہے کیونکہ وہ تیرے دیدار کے لیے تڑپ رہا ہے، ذرا اسے اپنا جلوہ دکھا دے۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'درس' کو پہلی مرتبہ 'ر' متحرک کے ساتھ اور دوسری مرتبہ 'ر' ساکن کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی اسے متحرک پڑھیں گے تو مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا۔

اس غزل کی لفظیات پر ہندوی اور دکنی لہجوں کا اثر زیادہ ہے مثلاً مان بھری، چنچل، بھاو بتانا، انھاری، جھانجھر، جھنکار، لٹ دھرم، کاجل، بچن ہاری، نینہ، جوگی، موہن، سندر، درس جیسے الفاظ۔ فارسی الفاظ اور ترکیبیں پہلی غزل کے مقابلے میں یہاں کم ہیں۔

3.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- ولؔی دکنی کا سوانحی خاکہ پڑھا

- وؔلی اور ان کے ہم عصروں سے واقف ہوئے
- وؔلی کی شاعری کے فنی محاسن سے آگاہی حاصل
- وؔلی کی دو غزلوں کے جملہ پہلوؤں کے تجزیہ کو سمجھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجئے

1۔ وؔلی دکنی کا عہد بتائیے

2۔ وؔلی دکنی کے زبان و بیان کی کیا خصوصیات ہیں

3۔ وؔلی دکنی کی غزلوں کو موضوعات کیا ہیں

4۔ وؔلی دکنی کو اردو شاعری کا بابا آدم کیوں کہا جاتا ہے۔

5۔ وؔلی دکنی نے شمال کا کب اور کیوں سفر کیا اور اس کے کیا اثرات پڑے

3.6 فرہنگ

سنوات	=	سنہ کی جمع
اقارب	=	خاندان کے لوگ
نابغہ	=	بے حد ذہین
تغزل	=	غزل گوئی
بھاؤ	=	قیمت
دیدۂ حیراں	=	محبوب کے حسن سے متاثر ہونے حیران آنکھیں
دفتر درد	=	دکھ درد کے بیان کی تفصیل
رقیب بدخو	=	بدمزاج دشمنی
چشمۂ آب بقا	=	دائمی زندگی دینے والا پانی (آبِ حیات)
ان بری	=	معزور

3.7 سوالات کے جوابات

1۔ وؔلی دکنی 1665 میں پیدا ہوئے اور 1709 میں وفات پائی۔ وہ ولی گجراتی بھی کہلاتے ہیں کیونکہ انھوں نے گجرات

میں ایک عرصہ بسر کیا تھا اور گجرات کے شہروں احمد آباد اور سورت پر اشعار بھی کہے ہیں۔

2۔ ولی دکنی کے اسلوب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ صوفی سعداللہ گلشن کے مشہور ے پر انھوں نے فارسی اور عام بول چال کی زبان کے اختلاط سے اپنا اسلوب وضع کیا اور دکنی الفاظ کو زیادہ سے زیادہ ترک کیا۔ ان کا اسلوب دکنی کے کسی شاعر کا خالص کھڑی بولی میں پہلا اسلوب تھا اس لیے شمال میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ ان کی زبان سادہ اور سہل ہے۔

3۔ ولی دکنی نے زیادہ تر محبت کے جذبات کی عکاسی کی ہے اور انھیں مختلف رنگوں میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے عام قلبی جذبات کو آپ بیتی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری پر اثر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشق کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔

4۔ ولی دکنی کو اردو شاعری کا بابا آدم اس لیے کہا جاتا ہے انھوں نے ریختہ میں شاعری کر کے شمال کے شعرا کو اپنی طرف متوجہ کیا جو فارسی کی طرف مائل تھے۔ انھوں نے شمال کے شعرا کو یہ احساس بھی دلایا کہ اردو میں بھی اچھی اور بڑی شاعری کی جا سکتی ہے اور وہ اس طرف راغب ہوئے۔

5۔ ولی دکنی تفریح طبع کے لیے 1700 میں شمال کا سفر کیا اور دہلی میں قیام کیا اور اپنی شاعری سے لوگوں کو متاثر کیا ان ہی کے زیر اثر لوگ ریختہ میں شاعری کرنے کی طرف باقاعدہ متوجہ ہوئے۔

3.8 کتب برائے مطالعہ

1۔ دکنی ادب کی تاریخ — سیدہ جعفر

2۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول) — جمیل جالبی

3۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ — احتشام حسین